تعارف: حکیم راحت نسیم سوہدروی

ڈاکٹر سیّد عبد اللہ
ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

جناب ڈاکٹر سید عبد اللہ کی شخصیت علمی و دینی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ڈاکٹر صاحب علمی و ادبی میدان میں ملت اسلامیہ کے نامور فرزند ہیں۔ اس دورِ قحط الرجال میں ایسے شاندار کردار کے حامل افراد کم ہی ملتے ہیں۔ یوں تو اخبارات و رسائل میں بارہا ڈاکٹر صاحب کا نام پڑھا تھا، ان کے خیالات سے آگاہی کا موقع بھی ملا اور چند ایک دفعہ ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا۔ پچھلے دنوں ایک تقریب میں اپنے والدِ محترم (ڈاکٹر نسیم سوہدروی علیگ) کے ہمراہ ڈاکٹر صاحب سے بات چیت کا موقع ملا۔ موصوف ملتِ اسلامیہ کی زبوں حالی پر گہرے تاسف کا اظہار کر رہے تھے۔ ان باتوں کا مجھ پر گہرا اثر ہوا اور اسی وقت میں نے ڈاکٹر صاحب سے ترجمان الحدیث کیلئے انٹرویو کی ٹھان لی۔

اپنے پروگرام کے مطابق ۸ ستمبر کو میں ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں ان کی اقامت گاہ (واقع اردو نگر لاہور) پر حاضر ہوا۔ آپ روزہ افطار کرنے کے بعد چہل قدمی کر رہے تھے۔ میں نے دروازے پر دستک دی۔ آپ نے برآمدے میں سے مجھے دیکھ کر اندر بلا لیا۔ میں نے "السلام علیکم" کہا، جواب میں "وعلیکم السلام" کے بعد فرمایا "کیسے آنا ہوا؟"

عرض کیا، آپ سے ترجمان الحدیث کے سلسلے میں انٹرویو کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ ساتھ ہی معذرت کا اظہار بھی کیا کہ اس کے لئے وقت کا تعین پہلے نہ کر سکا۔

فرمانے لگے "میں انٹرویو پسند نہیں کرتا لیکن چونکہ آپ "ترجمان الحدیث" کے لئے آئے ہیں اور علامہ احسان الٰہی صاحب ظہیر کی جانب سے، لہٰذا سوالات دے دیجئے میں جوابات لکھ کر دے دوں گا!"

میں نے عرض کیا، کب تک حاضر ہو جاؤں؟

فرمانے لگے، سوموار کی شام تک آجائیے، میں نے سوالنامہ ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ میں دے دیا۔ آپ نے سوالنامہ دیکھ کر سوالوں کے متعلق گفتگو کا آغاز کر دیا اور کوئی مسلسل پون گھنٹے تک ماضی کے واقعات اپنی تعلیمی زندگی کے واقعات سنائے اور اس طرح اچھا خاصا وقت ڈاکٹر صاحب سے گفتگو کا مل گیا۔ جب میں نے عرض کیا کہ اس گفتگو کو بھی انٹرویو کا حصہ بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ جواب میں فرمایا، نہیں، جو جوابات لکھ کر دوں گا بس وہی!

دوبارہ مقررہ دن کو جب میں ڈاکٹر صاحب کے دفتر پہنچا تو آپ سوالات کے جوابات تحریر کر کے دفتر کے کلرک کو دے چکے تھے کہ جب راحت نسیم آئیں تو انہیں دے دیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب خود مل گئے۔ اور کلرک سے جوابات لے کر مرحمت فرمائے۔ میں ڈاکٹر صاحب کے احساسِ ذمہ داری پر عش عش کر اٹھا۔ آج ہمارے ہاں وعدہ کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، اور لاپرواہی نے ہماری قوم کا مزاج بگاڑ کر رکھ دیا ہے لیکن ڈاکٹر صاحب صحیح معنوں میں بڑے آدمی ہیں اور میں نے جیسا ان کے متعلق پڑھا اور سنا تھا، ویسا ہی پایا۔ شاید حضرتِ جوش نے انہی کے متعلق کہا تھا ؎

ابھی اگلی شرافت کے نمونے پائے جاتے ہیں!

اس تمہید کے بعد اب میرے سوالات اور ڈاکٹر صاحب کے جوابات ملاحظہ فرمائیے۔

پہلا سوال تھا، کیا آپ موجودہ نظامِ تعلیم سے مطمئن ہیں، اگر نہیں تو اس کی وجوہ؟"

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا،

نظامِ تعلیم ایک وسیع لفظ ہے، اس میں نصاب، اساتذہ، ہیئتِ اقتدار اور فلسفۂ تعلیمی، سب کچھ شامل ہے۔

میں ذاتی طور سے کہہ سکتا ہوں کہ ہمارا فلسفۂ تعلیمی درست نہیں —— اگر یہ درست ہو جائے تو باقی سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کا ٹھیک کرنا ہیئتِ اقتدار کے ہاتھ میں ہے اور ہیئتِ اقتدار کو صرف رائے عامہ کے ذریعے مجبور کیا جا سکتا ہے کہ وہ تعلیمی مقاصد کا صحیح تعین کرے۔

اس لئے سوال یوں ہونا چاہیئے کہ ہمارے تعلیمی مقاصد درست ہیں یا نہیں؟

انگریزوں کے زمانے میں تعلیم کا واحد مقصد حصولِ ملازمت تھا لیکن انگریز اس محدود سطح پر بھی معیار کا ضرور خیال کرتے تھے اور کردار سازی میں استاد کے با اخلاق ہونے پر زور دیتے تھے لیکن اب معیار اور کردار سازی دونوں غائب!

اب تعلیم برائے ملازمت تو ہے لیکن ڈگریوں کے معیار غیر مستند اور پست ہو گئے —— تعلیم گاہیں سیاسی ہنگامہ آرائی کے مرکز بن گئے ہیں۔ اس انتشار کے اسباب دیرینہ اور گہرے ہیں، معمولی اصلاح سے علاج ممکن نہیں۔ بہرحال یہ ماننا پڑیگا کہ بیرونی دنیا کی سائنسی ایجاد وغیرہ کا کچھ حال معلوم ہو جاتا ہے، مگر کچا پکا۔ ابھی ہم اپنی سائنس کی دنیا میں داخل نہیں ہوئے۔"

دوسرا سوال تھا: "موجودہ نظام تعلیم کو اسلامی نظام تعلیم سے ہم آہنگ کرنے کے لئے آپ کی تجاویز؟"

جواب میں فرمایا:

"اسلامی نظام تعلیم کے الفاظ تو اکثر سننے میں آتے ہیں مگر ان کی صحیح تشریح کسی نے نہیں کی۔ نہ اسکا عملی تجربہ کیا۔ پرانی دینی تعلیم، تعلیمات کا ایک حصہ ہے۔ اس میں جدید علوم شامل نہیں جو آج کی دنیا میں بیحد ضروری ہیں۔

اس لئے اسلامی نظام تعلیم کا مکمل نفاذ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اسلامی نظام تعلیم کی ہیئتِ اقتدار اس کے لئے عملی کوشش نہ کرے۔"

تیسرا سوال یہ تھا:

"نوجوان نسل کی بے راہروی کے اسباب کیا ہیں اور علاج کیا ہے؟"

جواب میں ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"موجودہ نسل کی بے راہروی کا معاملہ آج کا نہیں، اس کی عمر سو سال کے لگ بھگ ہے۔ جو تعلیم برائے ملازمت کا سلسلہ شروع ہوا اور مغربی تعلیم کے ساتھ مغربی معاشرت اپنانے کا آغاز ہوا، اس کی وجہ سے طلبہ کے دل میں سے اساتذہ کا احترام اٹھ گیا۔ پھر بے عزتی اور توہین —— نتیجہ یہ کہ تعلیم کے ساتھ معاشرتی اخلاقیات پھیلائی گئیں۔ اس میں خودسری، کج روی اور کج خلقی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ مغرب سے آئے ہوئے دوسرے اسالیبِ زندگی اپنائے جاتے رہے۔ نتیجہ معاشرتی انتشار ہے فقط!"

چوتھا سوال تھا "آپ کو مقتدر مشاہیر ملت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہوگا، سب سے زیادہ کس شخصیت نے اثر ڈالا اور کیوں؟"

جواب ملاحظہ فرمائیں:

"افسوس ہے کہ مجھے اپنی گوشہ نشینی اور معمولی حیثیت کی وجہ سے مقتدر مشاہیر ملت میں سے کسی کو قریب سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ البتہ علماء میں سے بعض سے تعلیم حاصل کی ہے، ان سے متاثر ہوا ہوں۔ مگر قریب سے دیکھنے والی بات وہاں بھی نہیں ہوگی۔"

پانچواں سوال تھا، "آپ کی زندگی (تعلیمی زندگی) کا ناقابلِ فراموش واقعہ؟"

ڈاکٹر صاحب کا جواب ہے:

"میری زندگی کا کوئی واقعہ ناقابلِ فراموش یا قابلِ فراموش نہیں، خداوندِ کریم عمر بھر اپنی رحمت و نعمت سے نوازتا رہا ـــــ اور اس کی ربوبیت انسانوں کی صورت میں میرے لئے وسیلے بھی پیدا کرتی رہی۔ میں اس کا شکر ادا کرتا رہتا ہوں اور اس کی رحمت کا طلبگار رہوں۔"

چھٹا سوال ڈاکٹر صاحب کے حالاتِ زندگی کے متعلق تھا، اور محترم سید صاحب نے جس عجز و انکساری سے جواب دیا ہے اس سے ان کی درویشانہ طبیعت ظاہر ہے۔ جواب گو مختصر ہے مگر ہے جامع، فرماتے ہیں:

"میرے حالاتِ زندگی جواب نمبر پانچ میں آگئے ہیں، اس سے زیادہ حالاتِ زندگی موجود نہیں، شکر، انعام اور رحمت، یہی زندگی ہے!"

اور آخری سوال تھا، قارئینِ "ترجمان الحدیث" کے لئے کوئی پیغام؟"

سید صاحب نے موجودہ حالات میں جو پیغام دیا ہے وہ ہر صاحبِ فکر و نظر کے لئے قابلِ غور ہے، فرمایا:

"قارئینِ "ترجمان الحدیث" کے لئے فقط یہ پیغام ہے کہ فرقے کی لڑائی سے جس حد تک ممکن ہو، اجتناب کیا جائے ـــــ ہماری سلطنتوں کی بربادی میں فرقے کی جنگ کا بڑا حصہ ہے ـــــ اور اس وقت بھی فرقوں کے راہنما جس طرح آپس میں لڑ رہے ہیں اس سے باطل کی قوتوں کو بڑی تقویت مل رہی ہے اور اسلامی مزاج کے نوجوان بھی بدظن اور بیزار ہو رہے ہیں۔ وما علینا الّا البلاغ!"

دوسری ملاقات میں بوقتِ رخصت میں نے سید صاحب سے عرض کیا کہ اپنے دستِ مبارک سے میری ڈائری پر کچھ تحریر فرمائیں چنانچہ انہوں نے حسبِ ذیل شعر رقم کیا ؎

دل دے تو اس مزاج کا پروردگار دے
جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گزار دے